یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ۔

فلسفۂ الٰہیات کے عجمی تصورات

ابوالجبر اسدی

مجلس نشر السنۃ مخدوم رشید ملتان

تعارف

ہم نظریہ توحید پر ایک مسبوط کتاب مرتب کر رہے ہیں جس کا نام ہے "فلسفہ الٰہیات کے عجمی تصورات" عصر حاضر میں توحید کے خلاف جو اہم نظریات پائے جاتے ہیں ان کا اجمال یہ ہے دہریت۔ الحاد۔ تشکیک۔ نیچریت۔ تثلیث۔ اصنامی الوہیت۔ حلولی تصورات۔ شرکیہ تلبیسات۔ عجمی تصوف۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود۔ ان تمام نظریات کا علمی محاسبہ کیا گیا ہے آخر میں قرآن کے فلسفہ الٰہیات کی تفصیل کے ساتھ توضیح کی گئی ہے اس کتاب کی تسوید کے لیے چونکہ سینکڑوں کتابوں سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں اس لیے اس کی ترتیب و تالیف کیلئے ہمیں کافی عرصہ درکار ہے فی الحال ہم ان کتابوں کے اہم اہم مباحث کو متفرق رسائل کی صورت میں شائع کر رہے ہیں تاکہ کتاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ قارئین بھی اس سے مستفید ہوتے رہیں۔

العاجز

ابوالخیر اسدی

وجود باری تعالی

خدا کے اثبات پر قدیم فلاسفر اس طرح استدلال کرتے تھے' کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہیں ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے اور استدلال کا دوسرا مقدمہ بدیہی ہے پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ عالم میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے ارسطو نے استدلال کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی یہ کہ عالم کے تمام اجزاء میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے' کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہیں یا گھٹتے ہیں اور بڑھنا یا گھٹنا حرکت ہی کی ایک قسم ہے۔ جن چیزوں کو ہم بحال خود قائم دیکھتے ہیں' ان کے اجزاء بھی بدلتے رہتے ہیں یعنی پرانے اجزا فنا ہوتے جاتے اور ان کے بجائے نئے آتے جاتے ہیں' اجزاء کا بدلتا رہنا بھی ایک قسم کی حرکت ہے۔ اس لئے تمام عالم متحرک ہے اور جو چیز محترک ہے ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی محرک ہو' اب دو صورتیں ہیں' یا یہ سلسلہ کسی حد تک جا کر ٹھہر جائے گا یعنی اخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہو گی جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیاء کی محرک ہے اور خود متحرک نہیں یہی خدا ہے یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہو گا' اس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

ارسطو نے خدا کے ثبوت میں حرکت سے استدلال کیا۔ حکمائے اسلام میں سے ابن رشد کا بھی یہی مذہب ہے۔

بو علی سینا بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے لیکن اسلام کے اثر سے اس بات کا قائل نہ ہو سکا کہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا نہیں' اس لئے اس نے یہ رائے اختیار کی کہ عالم قدیم بھی ہے اور خدا کا مخلوق بھی ہے اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب عالم اور خدا دونوں قدیم ازلی ہیں تو ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کیونکر کہا جا سکتا ہے کیونکہ علت و معلول میں زمانہ کا تقدم و تاخر

ضروری ہے۔بو علی سینا نے اس کا جواب دیا کہ علت کے لئے صرف تقدم بالذات کافی ہے زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہونا ضروری نہیں، مثلاً کنجی کی حرکت قفل کے کھل جانے کی علت ہے لیکن کنجی کی حرکت اور قفل کے کھلنے میں ایک لحظہ اور ایک آن کا بھی آگا پیچھا نہیں!

متکلمین کے نزیک چونکہ خدا کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا خدا کی یکتائی میں خلل انداز تھا اس لئے انہوں نے عالم کے حدوث کا دعوی کیا اور حدوث ہی سے خدا کے وجود پر دلیل قائم کی عالم کے حادث ہونے پر متکلمین کا جو استدلال ہے اس کے سمجھنے کیلئے پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے۔

متکلمین کا استدلال

(۱) عالم میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ عرض یعنی جو چیزیں بذات خود قائم نہیں بلکہ جب پائی جاتی ہیں تو کسی دوسری چیز میں ہو کر پائی جاتی ہیں۔ مثلاً بو۔ رنگ۔ مزہ۔ رنج۔ خوشی اور جوہر یعنی وہ چیزیں جو بذات خود قائم ہیں مثلاً پتھر۔ مٹی۔ پانی۔

(۲) کوئی جوہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس قدر جواہر ہیں کسی نہ کسی صورت اور ہیئت میں ہوتے ہیں اور صورت وہیئت عرض ہیں، تمام جواہر میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے اور حرکت عرض ہے۔ غرض جوہر کے جس قدر افراد ہیں ان میں کسی نہ کسی عرض کا پایا جانا ضروری ہے، اور اس بنا پر کوئی جوہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا۔

(۳) عرض حادث ہے۔ یعنی پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔

(۴) جو چیز عرض سے کبھی خالی نہ ہو سکتی ہو ضرور ہے کہ حادث ہو کیونکہ اگر وہ قدیم ہو تو لازم آئے گا کہ عرض بھی قدیم ہو کیونکہ دو چیزیں ہوں ان میں سے ایک چیز اگر قدیم ہو گی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو ورنہ لازم وملزوم میں فصل زمانی لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

اب عالم کے حادث ہونے پر اس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ عالم دو صورت سے خالی نہیں جوہر ہوگا یا عرض اور جوہر و عرض دونوں حادث ہیں۔ عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے جوہر اس لئے کہ کوئی جوہر عرض سے خالی نہیں ہو سکتا اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز عرض سے خالی نہ ہو سکتی ہو وہ حادث ہے۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ عالم حادث ہے تو ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی علت ہو' اب اگر علت بھی حادث ہے تو اس کے لئے بھی کوئی علت درکار ہوگی۔ اس صورت میں اگر یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم ہو گا تو وہی خدا ہے' اور نہ ختم ہو گا تو دور و تسلسل لازم آئے گا اور دور و تسلسل محال ہے۔ لیکن منکرین خدا علل کا سلسلہ اس طرح مانتے ہیں کہ ہر علت فنا ہو کر اس کے بجائے دوسری علت آجاتی ہے محقق دوانی نے زوراء کی شرح میں دعوی کیا ہے کہ اس صورت میں بھی دلیل جاری ہو سکتی ہے۔ کیونکہ گو علتیں فنا ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن ان کا مجتمع و مرتب ہونا فرض کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ علل کا مجتمع ہونا محال عقلی نہیں اور جو چیز محال نہیں وہ فرض بھی کی جا سکتی ہے۔ ان ن میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ان سے اگر خدا کا وجود ثابت بھی ہوتا ہے تو اس کا فاعل با اختیار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ان دلائل سے صرف ایک علۃ العلل کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن علت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس سے معلول بہ ارادہ اور بہ اختیار صادر ہو آفتاب روشنی کی علت ہے۔ لیکن آفتاب کو نہ علم ہے نہ ارادہ' بلکہ روشنی اس سے خود بخود بلا علم و ارادہ صادر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے حکما کا مذہب ہے کہ خدا نے عالم کو بہ اختیار نہیں پیدا کیا اور تعجب ہے کہ شیخ بو علی سینا بھی انہی کا ہم زبان ہے۔

وجود باری پر قرآن مجید کا طریقہ استدلال

حقیقت یہ ہے' کہ خدا کا اعتراف' انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے' علم الانسان کے ماہرین نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت میں تھا یعنی علوم و فنون اور

تہذیب وشائستگی کا بالکل وجود نہیں ہوا تھا اس وقت اس نے سب سے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی ؟ مادیین (میٹریسٹ) کے سوا اور تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش اختیار کی تھی۔ مشہور محقق مکس مولر اپنی کتاب میں لکھتا ہے ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اس وقت سر جھکایا تھا۔ جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے جسمانی خدا (بت) اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوئے کہ فطرت اصلی، مثالی صورت کے پردہ میں چھپ گئی۔

یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصہ میں خدا کا اعتقاد موجود تھا آشوریہ۔ مصری۔ کلدانی۔ یہود۔ اہل فنشیہ سب کے سب خدا کے قائل تھے۔

پلوٹارک کہتا ہے کہ "اگر تم دنیا پر نظر ڈالو گے تو بہت سے ایسے مقامات ملیں گے جہاں نہ قلعے ہیں۔ نہ سیاست۔ نہ علم۔ نہ صناعت۔ نہ حرفہ۔ نہ دولت۔ لیکن ایسا کوئی مقام نہیں مل سکتا جہاں خدا کا تصور موجود نہ ہو۔

فولٹیر جو فرانس کا مشہور فاضل اور وحی والہام کا منکر تھا کہتا ہے کہ زرداستر۔ منوسولن۔ سقراط، سسرو۔ سب کے سب، ایک سردار۔ ایک منصف کی پرستش کرتے تھے یہی فطرت ہے۔

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دب جاتا ہے۔ اس لئے خدا نے جابجا اسی فطرت کو متنبہ کیا ہے۔

افی اللہ شك فاطر السموت والارض کیا خدا کی نسبت بھی شک ہو سکتا ہے جو آسمان و زمین کا فاطر ہے۔

چونکہ خارجی اسباب کی وجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہیں ہوتی اس لئے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تجربی اور حسی مقدمات کے ذریعہ سے

استدلال بھی کیا انسان کو آغاز تمیز میں جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب۔ باقاعدہ اور منتظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے ان چیزوں کو ترتیب دیا ہے' اگر کسی جگہ ہم چند چیزیں بے ترتیب رکھی دیکھیں تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزیں اکٹھی ہو گئی ہوں گی لیکن جب وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صناع بھی بہ مشکل اس طرح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہو گی۔ اس کو ایک اور واضح مثال میں سمجھو۔ خواجہ حافظ یا نظامی کا کوئی شعر لو۔ اس کے الفاظ الٹ پلٹ کر کے کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھ کر ''ترتیب دے وہ سو سو طرح الٹ پلٹ کرے گا لیکن اتفاقیہ طور سے بھی کبھی یہ نہ ہو گا کہ حافظ اور نظامی کا شعر نکل آئے حالانکہ وہی الفاظ ہیں وہی حروف ہیں' وہی جملے ہیں صرف ذرا سی ترتیب کا پھیر ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزوں ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو قرآن مجید میں خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے۔

صنع الله الذی اتقن کل شئی ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت فا ارجع البصر هل تری من فطور خلق کل شئی فقدره تقدیرا لا تبدیل لخلق الله فلن نجد لسنته الله تبدیلاً

یہ خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا خدا کی کاریگری میں تم کو کہیں فرق نظر نہ آئے گا پھر دوبارہ دیکھو کہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے خدا نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ معین کیا خدا کی بناوٹ میں ردوبدل ممکن نہیں اور نہ کوئی دوسرا اس میں دخل دے سکتا ہے خدا کے طریقہ

میں تم ردوبدل نہیں پاسکتے

ان آیتوں میں عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کئے ہیں۔ کامل اور بے نقص ہے موزوں اور مرتب ہے ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔ یہ دلیل کا صغری ہے کبری خود ظاہر ہے یعنی جو چیز کامل مرتب اور مستمر النظام ہو گی وہ خود بخود پیدا نہیں ہو گئی ہو گی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اس کو پیدا کیا ہو گا آج جبکہ تحقیقات و تدقیقات کی انتہائی ہے جبکہ کائنات کے سینکڑوں اسرار فاش ہو گئے ہیں جبکہ حقائق اشیا نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دیا ہے بڑے بڑے فلاسفر اور حکما انتہائے غور و فکر کے بعد خدا کے ثبوت میں یہی استدلال پیش کر سکے جو قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ میں ادا کیا تھا۔

آیزک نیوٹن کہتا ہے "کائنات کے اجزا میں باوجود ہزاروں انقلابات زمان و مکان کے جو ترتیب اور تناسب ہے وہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جا سکے جو سب سے اول ہے اور صاحب علم اور صاحب اختیار ہے"

حکمائے یورپ کی شہادت

اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے کہ جس قدر ہم زیادہ غور کرتے ہیں اسی قدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہیں اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیاء صادر ہوتی ہیں

کیمل فلامریان کہتا ہے تمام فلاسفر اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ جود کیونکر ہوا اور یہ کیونکر برابر چلا جاتا ہے' اسی بنا پر ان کو مجبوراً ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جس کا موئثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے۔

پروفیسر لینی (LINNE) لکھتا ہے خدا قادر و دانا اپنی عجیب و غریب کاریگریوں سے

میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور میں بالکل دیوانہ بن جاتا ہوں ہر چیز میں گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو اس کی 'کس قدر عجیب قدرت' کس قدر عجیب حکمت 'کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے۔

فونٹل۔انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے۔

علوم طبعیات کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر' خالق کائنات کی طرف اٹھائیں اور اس کے جلال و عظمت پر فریفتہ ہو جائیں۔

منکرین خدا کے اعتراضات

سب سے پہلے یہ بات بتانے کے قابل ہے کہ خدا کا انکار کوئی جدید خیال نہیں' ہمیشہ ہر زمانہ میں ملحدین کا ایک گروہ موجود تھا' جو خدا کے وجود کا قطعی منکر یا کم از کم متردد اور متشکک تھا' سائنس اور فلسفہ حال سے اس مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہیں پڑی ہے' خدا کے انکار کے متعلق کوئی نئی دلیل نہیں قائم ہو سکی ہے بلکہ ملحدین سابق و حال میں یہ فرق ہے کہ ملحدین سابق کے دلایل زیادہ دقیق اور پر زور ہوتے تھے' ان کے مقابلہ میں ملحدین حال کے دلائل کو دلائل نہیں کہہ سکتے' ان کی تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ "خدا کا کوئی ثبوت نہیں ملتا" مادہ کے سوا عالم میں اور کوئی چیز موجود نہیں خدا کے اعتراف کے بغیر نظام عالم کا سلسلہ قائم ہو سکتا ہے یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی استدلال نہیں' بلکہ عدم علم کا اعتراف ہے۔

متکلمین اسلام نے ملحدین سابق کے دلائل نہایت تفصیل سے نقل کیے ہیں علامہ ابن حزم نے ملل و نحل میں ملحدین ہی کے اعتراضات سے ابتدا کی ہے اور پھر ان کے جواب دیئے ہیں یہ اعتراضات' نہایت ہی قوی اور پر زور ہیں' تفنن کے لئے ہم ایک اعتراض کی تقریر نقل کرتے

ہیں۔

خدا کے وجود پر ملحدین قدیم کا اعتراض

خدا کا وجود اگر تسلیم کیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک واقعہ جو آج پیش آیا۔ اس کی علت قدیم ہو گی یا حادث اگر قدیم ہو تو لازم آئے گا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور ازلی ہو' کیونکہ علت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اس کی علت بھی حادث ہو گی اور پھر اس کے لئے کوئی اور علت درکار ہو گی' اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جا کر ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئے گا کیونکہ علت العلل جب قدیم ہے تو اس کا پہلا معلول بھی قدیم ہو گا' اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو اس کا معلول بھی قدیم ہو گا اور اگر یہ سلسلہ کسی قدیم اور ازلی علت پر ختم نہیں ہو تا بلکہ الی غیر النہایۃ چلا جاتا ہے تو خدا کہاں باقی رہتا ہے۔

سابق ملحدین کے اوپر بہت سے قوی اعتراضات ہیں' لیکن ہم کو ان سوئے ہوئے فتنوں کے جگانے کی ضرورت نہیں یورپ کے ملحدین آج کل خدا کے وجود پر جو اعتراضات کر رہے ہیں اور جس کی بنا پر ہمارے ملک میں' مذہب کی طرف سے بے دلی پھیلتی جاتی ہے' ہم کو صرف ان اعتراضات کا نقل کرنا اور ان کا جواب دینا کافی ہے۔

مادیین۔

جن لوگوں کو منکر خدا کہا جاتا ہے وہ مادیین (میٹریسٹ) ہیں لیکن در حقیقت ان لوگوں کا یہ دعوی نہیں کہ خدا نہیں ہے' بلکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہماری تحقیقات کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ ان کا دائرہ علم مادہ تک محدود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا مادی نہیں' پروفیسر لیٹریہ کا قول ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ مادی مذہب اپنے آپ کو عقل اول کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے' کیونکہ

اس کو اس کے متعلق کسی قسم کا علم نہیں ہم حکمت الٰہی کے نہ منکر ہیں نہ مثبت ہمارا کام نفی و اثبات دونوں سے الگ رہتا ہے)

مادیین کس بنا پر خدا کے قائل نہیں

اس گروہ میں سے بعض ترقی کر کے یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کے اقرار و انکار کے دونوں پہلوؤں میں سے انکار کا پہلو زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم کو یہ طے کرنا چاہیے کہ کسی شے کے انکار یا اقرار اثبات یا نفی کے اصول اولیۃ کیا ہیں؟ فلسفہ حال نے تحقیقات علمیہ کا سب سے پہلا اصول جو قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کسی شے کے وجود کی قطعی شہادت موجود نہ ہو ہم کو اس کا وجود تسلیم نہیں کرنا چاہیے کانٹ اور بیکن نے اپنے فلسفہ کا سنگ بنیاد اسی مسئلہ کو قرار دیا اور اسی مسئلہ کی بدولت ارسطو کے ظنی فلسفہ کے تمام ارکان متزلزل ہو کر قطعیات اور یقینیات کی بنیاد قائم ہوئی' روزمرہ کے تجربہ میں ہم اسی اصول کے پابند ہیں فرض کرو ایک شے ہے جس کے نہ وجود کی شہادت ہے نہ عدم کی تو ہمارا علم اس کی نسبت کس قسم کا ہوتا ہے؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس شے کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ شے موجود نہیں مثلاً یہ ممکن ہے کہ دنیا کے کسی حصہ میں ایسے آدمی موجود ہوں جن کے دو سر ہوں' ممکن ہے کہ ایسے جانور موجود ہوں جو صورۃً آدمی ہوں ممکن ہے کہ ایسے دریا ہوں جن میں مچھلیوں کے بجائے آدمی رہتے ہوں' لیکن ہم ان چیزوں کی نفی کا یقین رکھتے ہیں کیوں؟ اسی لئے کہ ان کے وجود کی کوئی شہادت موجود نہیں اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ثبوت' وعدم ثبوت' دونوں سے کسی پر اگر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو یقین کا رجحان اسی طرف ہوگا کہ خدا موجود نہیں ہے۔

اس بنا پر ہم کو خدا کی نفی پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف یہ

دیکھنا ہے کہ ثبوت کے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں ثبوت کے جس قدر دلائل ہیں سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ اگر خدا کا وجود نہ ہو تو سلسلہ غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا لیکن غیر متناہی کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

اب جو کچھ شبہہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ محض بخت واتفاق سے ایسی ایسی عجیب و غریب مخلوقات جو سر تا پا حکمت اور صنعت سے بھری ہوئی ہیں کیونکر پیدا ہو سکتی ہیں؟ اسی سوال کو مذہب نے نہایت موئثر الفاظ میں ادا کیا ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ خدا کا وجود اس سوال کا لازمی نتیجہ ہے فلاسفر راسین کہتا ہے اے آسمانو! مجھ کو خبر دو اے دریاؤ! مجھ کو بتاؤ! اے زمین مجھ کو جواب دے ! اے بے انتہا ستارو تم بولو کون سا ہاتھ ہے جس نے تم کو افق میں تھام رکھا ہے ؟ اور شب چارہ وہ کس نے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا ہے ؟ تو کس قدر پر شان ہے کس قدر عظمت مآب ہے! تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جس نے تجھ کو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اس نے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو ابھارا ہے اور مژدہ رسان سحر ! اور روشن او ہمیشہ روشن رہنے والا ستارہ آفتاب درخشاں! سچ بتا تو کس کی ادائے طاعت کے لئے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالم پر ڈالتا ہے۔

اے پر رعب سمندر! انے وہ کہ عضب ناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے کس نے تجھ کو محبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر کٹہرہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے تیری موجوں کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

(رابرٹ انگر سال جو امریکہ کا مشہور ملحد ہے اپنی کتاب "انکار خدا" میں لکھتا ہے فرض کرو کہ نیچر سے برتر کوئی قوت نہیں اور مادہ اور قوت ازل سے موجود ہیں

اب خیال کرو کہ دو ذرہ باہم ملیں تو کیا کوئی نتیجہ ہو گا اگر ایسا ہی ہو تو مادہ قوت اور نتیجہ بعینہ وہی نہ ہو گا؟ ہاں ایک ہی قسم کی حالت سے ایک ہی قسم کا نتیجہ ہو گا اور اسی کے معنی قانون اور ترتیب کے ہیں تو اب مادہ۔ قوت۔ قانون۔ ترتیب بلا ایسی قوت کے ہیں جو نیچر سے بالاتر ہو۔

خدا کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہیں

لیکن دوسرا احتمال یعنی خدا کا وجود نہ خود محسوسات میں ہے نہ محسوسات سے ماخوذ ہے اس قدر بے شبہ محسوس ہے کہ ہر حادث' علت کا محتاج ہے لیکن مادہ' حادث نہیں اور چونکہ حرکت اور قوت' خود مادہ کے لوازم طبعی ہیں اس لئے وہ بھی حادث نہیں' اور جب مادہ۔ قوت۔ حرکت قدیم ہیں اور کائنات کے تمام انواع' انہی چیزوں کا نتیجہ ہیں تو خدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جا سکتا ہے؟ پروفیسر لیتر یہ کہتا ہے کہ جن اسباب نے کائنات کو پیدا کیا ہے بظاہر وہ خود کائنات میں موجود ہیں اور ان سے الگ نہیں اور انہی اسباب کو ہم قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہیں ایک اور مشہور پروفیسر کہتا ہے کہ قوانین فطرت اور خدا ان دونوں میں سے ہم کو صرف ایک کی ضرورت ہے۔

یہ ان ملاحدہ کے خیالات ہیں جن کا بیان ہے کہ ہم کو خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہیں ملتی اور اگر صرف احتمال سے کام کیا جائے تو خدا کے عدم کا احتمال' وجود سے زیادہ قوی ہے لیکن ملاحدہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو علانیہ اس بات کا مدعی ہے کہ خدا کا وجود جس طرح بیان کیا جاتا ہے ہو ہی نہیں سکتا!

یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے معنی اگر صرف علۃ العلل کے ہیں تو ہم کو کچھ بحث نہیں لیکن اگر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق۔ حکیم۔ صاحب ارادہ عادل۔ اور رحیم بھی ہے تو اس کا ثبوت نہیں ہو تا بلکہ اس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہیں جن کی تفصیل ذیل میں ہے۔

منکرین خدا کے دلائل

(۱) ڈارون کے مسئلہ ارتقا نے ثابت کیا ہے کہ تمام مخلوقات نہایت ادنی درجہ سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت پر پہنچی ہے خود انسان جو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے نہایت ادنی درجہ کا جانور تھا ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا اور پھر ایک بوزینہ کے بعد آدمی بن گیا اس بنا پر کیوں کر قیاس کا جا سکتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا قادر مطلق اور حکیم ہے رابرٹ انگر سال اپنی کتاب میں جو خدا کے انکار پر ہے لکھتا ہے۔

"فرض کرو ایک جزیرہ پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا ملے جس کے پاس ایک نہایت عمدہ خوبصورت گاڑی موجود ہو اور اس کا یہ دعوی ہو کہ یہ گاڑی اس کی لاکھوں برس کی محنت کا نتیجہ ہے جس کے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے میں پچاس پچاس ہزار برس صرف ہوئے تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ وہ شخص ابتدا ہی سے فن جر ثقیل میں ماہر تھا۔

مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ خالق میں بھی ترقی ہوئی ہے کیا ایک نیک عاقل اور قادر مطلق خدا انسان کو پیدا کرنا چاہتا تو اس طرح پیدا کرتا کہ پہلے نہایت ابتدائی اور ادنی درجہ کی سادہ حالت میں پیدا کرتا پھر ایک غیر محدود زمانہ کے بعد آہستہ آہستہ ترقی دے کر انسان بناتا اس طرح سالہائے بے شمار ان شکلوں اور ہیتوں کے بناتے میں صرف ہوئے جن کو آخر کار خارج کرنا پڑا۔

(۲) دنیا میں نہایت کثرت سے جور و ظلم، خوں ریزی اور قتل، مصیبت اور رنج پایا جاتا ہے، اس لئے کیوں کر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کا خالق، رحیم اور عادل ہے۔ انگر سال دہریہ کہتا کیسا ہے کہ دنیا کی سطح کو اسی خوفناک اور نفرت انگیز جانوروں سے بھرنا جو ایک دوسرے کی تکلیف

اور ایذا پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں کیا اس میں بصیرت اور عقل مندی کی علامت پائی جاتی ہے ؟ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کے رحم کی کون قدر کر سکتا ہے جب کہ ہر جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہے' یہاں تک کہ ہر منہ ایک مذبح اور ہر پیٹ ایک قبرستان ہے اس عام اور دائمی خونریزی میں غیر محدود بصیرت اور محبت کا وجود غیر ممکن ہے۔

□ بنی نوع انسان کو پہنچیں وہ قیاس نہیں کی جاسکتیں سالہاسال کی تاریکی میں جو زیادہ تر حصہ اس تکلیف کا کمزور' نیک اور معصوم لوگوں نے برداشت کیا' عورتوں سے زہریلے درندوں کی طرح سلوک کیا گیا' معصوم بچے حشرات الارض کی طرح پاؤں سے کچلے گئے" قوم کی قوم پر صدیوں غلامی کا فتویٰ رہا اور تمام عالم میں وہ ستم برپا رہا جس کو زبان قلم ادا نہیں کر سکتی۔

اگر کوئی کہے کہ آئندہ دنیا میں ان مصیبت زدوں کو تکلیف کا بدلہ مل جائے گا تب بھی اس اعتراض کا جواب نہیں ملتا' اس بات کی امید کرنے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک کامل عاقل نیک اور بااقتدار حکیم ہمارے ساتھ بمقابلہ حال کے آئندہ بہتر سلوک کرے گا کیا خدا میں زیادہ قوت آجائے ؟ کیا وہ زیادہ رحیم ہو جائے گا ؟ کیا اس کی مہربانی اپنی عاجز مخلوق کے ساتھ زیادہ ترقی کر جائے گی۔

(۴) یہ امر ظاہر ہے کہ سینکڑوں آدمی خلقتہً نہایت بے رحم۔ سخت دل' بدکار اور مائل بہ شہوات ہوتے ہیں' بلکہ مخلوق کا زیادہ حصہ برے ہی آدمیوں کا ہے اس صورت میں کیوں کر قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک حکیم اس قسم کے اشخاص کا پیدا کرنا جائز رکھتا' قیامت کی جزا و سزا۔ اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتی' کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان اشخاص کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ پیدا کرنا اور پھر ان کو قیامت میں سزا دینا اس سے کیا فائدہ ؟ اگر خدا قادر مطلق ہے تو اس کو دنیا میں صرف نیکی ' راست بازی' نکوکاری پیدا کرنی چاہیے تھی فریب۔ جھوٹ۔ فسق۔ فجور۔ حسد۔

بغض۔ دشمنی۔ انتقام بے رحمی کے وجود کی کیا ضرورت تھی ؟ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور مختار خدا نہیں ہے 'بلکہ صرف لاآف نیچر ہے جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ قائم ہے اور بغیر کسی غرض 'اور مقصد کے جو کچھ ہوتا ہے ہوا جاتا ہے خدا کے بارے میں یہ ایسے تشکیکات ہیں جن کی وجہ سے یہ مادہ پرست ملحدین خدا کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ایک مشہور ملحد کہتا ہے کہ جہاں تک ہم تمیز کر سکتے ہیں ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ نیچر بلا محبت اور بلاارادہ ہمیشہ مختلف اشکال بناتا اور بدلتا رہتا ہے نہ اس کو غم ہے نہ خوشی 'زہر و غزا' رنج و طرب زندگی و موت 'ہنسی اور آنسو سب اس کے نزدیک یکساں ہیں نہ وہ رحیم ہے 'نہ وہ خوشامد سے خوش ہوتا ہے' نہ آنسو گرانے سے متاثر۔

ملحدین کے اعتراضات کا جواب

یہ ٹھیک ہے کہ مادہ کے اجزا متحرک ہیں' حرکت۔ مادہ کی ذاتیات میں سے ہے مختلف قوانین قدرت ہیں جن کے موافق 'اجزا باہم ملتے ہیں' ترکیب پاتے ہیں اور پھر ان میں خاص خاص قوی اور خواص پیدا ہو جاتے ہیں لیکن کائنات کا عقدہ ان باتوں سے بھی حل نہیں ہوتا اس کی تفصیل یہ ہے۔

تمام قوائے قدرت باہم موافق اور معاون ہیں

اس میں شبہ نہیں کہ عالم کا تمام نظام قونین قدرت یا لاآف نیچر پر قائم ہے لیکن یہ قوانین' الگ الگ مستقل بالذات 'اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہیں بلکہ سب ایک دوسرے کے موافق 'متناسب اور معین ہیں ان میں باہم اس قدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے میں کل قوانین قدرت باہم مل کر کام کرتے ہیں ایک کمزور سے کمزور گھاس

اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب خاک۔ ہوا۔ پانی وغیرہ سے لے کر بڑے بڑے اجرام فلکی مثلاً آفتاب و ماہتاب، وغیرہ کے افعال، اور خواص اس کے پیدا کرنے میں مشارکت اور توافق کو عمل میں لائیں، اس کی مثال بلکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم میں سینکڑوں اعضا، جوارح، اور اعصاب ہیں، یہ اعضا اور جوارح الگ الگ ہیں اور ہر ایک کا کام جدا ہے لیکن کوئی عضو اس وقت تک کام نہیں دے سکتا جب تک اور تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اس کے عمل میں شریک نہ ہوں یا کم سے کم یہ اس کے کام میں خلل انداز نہ ہوں، اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ان اعضا کے قوی مستقل حیثیت نہیں رکھتے بلکہ انسان میں کوئی اور عام قوت ہے جو ان تمام اعضا کی جداگانہ قوتوں سے بالاتر ہے اور جس کی ماتحتی میں یہ سب باتفاق کام کرتے ہیں اس عام قوت کو نفس روح یا مزاج سے تعبیر کیا ہے۔

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے عالم میں سینکڑوں ہزاروں قوانین قدرت ہیں لیکن اگر ان میں سے ایک بھی باہمی توافق کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم برہم ہو جائے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جو ان تمام قوانین قدرت کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین میں باہم توافق۔ تناسب، ربط اور اتحاد پیدا کیا ہے دہریہ یہ کہتا ہے کہ مادہ خود بخود پیدا ہوا، مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی حرکت نے امتزاج پیدا کیا اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہو گئے لیکن وہ اس بات کی وجہ نہیں بتا سکتا کہ ان سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں قوانین قدرت میں یہ توافق۔ تناسب، اور اتحاد کہاں سے آیا؟ توافق اور اتحاد پیدا ہونا۔ خود ان قوانین کی ذاتی خاصیت نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا دعوی کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہو گا جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی یہی بالاتر قوت جو قوانین فطرت پر حاکم ہے اور جس نے ان قوانین میں ربط اور اتحاد قائم کیا ہے خدا ہے یہی معنی ہیں قرآن مجید کی اس آیت کے وله اسلم من

فی السموات والارض طوعا او کرھا ۔ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اس کا کہا مانتے ہیں 'بہ جبر یا بخوشی یورپ کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفر کو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے۔

ملین اڈورڈ (MILNE EDWARD) کہتا ہے انسان اس وقت سخت حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت واتفاق کے نتائج ہیں یا دوسری عبارت میں یوں کہنا چاہیے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہیں یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جن کو لوگوں نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے فزیکل سائنس جاننے والا کبھی اس پر اعتقاد نہیں لا سکتا۔

ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب ہم ان پر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت ہے۔ جو تمام اشیاء کو وجود میں لاتی ہے

پروفیسر لینہ کہتا ہے وہ خدائے اکبر جو ازلی ہے جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اپنی عجیب وغریب کاریگریوں سے میرے سامنے اسس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میں مبہوت اور مدہوش ہو جاتا ہوں۔

اب ہم ان اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو خدا کے قادر مطق رحیم اور عادل ہونے کی نسبت کئے جاتے ہیں یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا تو دنیا کو بتدریج کیوں پیدا کرتا'اس قدر لغو ہے کہ توجہ کے بھی قابل نہیں۔

ایک قطرہ کا رحم میں پڑنا۔ پرورش پانا۔ گوشت پوست چڑھنا۔ مختلف اعضا کا پیدا ہونا ۔جان کا پڑنا۔ خون سے غذا پانا اور پھر نور کا پتلا بن کر ہستی کے منظر پر آنا زیادہ اعجوبہ اور کمال قدرت

کی دلیل ہے ؟ یاد فعتہً بنابنایا ایک انسان مجسم کا پیدا ہو جانا ؟

البتہ یہ اعتراض توجہ کے قابل ہے کہ دنیا میں نیکی کے ساتھ برائی کیوں ہے ؟

بو علی سینا نے شفا میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دنیا کی تین حالتیں فرض کی جاسکتی ہیں۔ محض بھلائی ہی بھلائی ہوتی۔ محض برائی ہوتی۔ زیادہ بھلائی ہوتی اور کسی قدر برائی اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یہ تینوں حالتیں پیش ہیں تو کیا کرنا چاہیے۔

پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہے دوسری صورت بھی قابل بحث نہیں کیونکہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابل اختیار نہیں ہے۔ اور قدرت نے بھی ایسا ہی کیا' یعنی قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے یا نہیں جس میں بھلائیاں زیادہ اور برائیاں کم ہوں' اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو بے شبہہ یہ فائدہ ہوتا کہ چند برائیاں عالم وجود میں نہ آتیں لیکن اس کے ساتھ بہت سی بھلائیوں کا بھی وجود نہ رہتا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوتا کہ چند برائیوں کے لئے دنیا ہزاروں بھلائیوں سے محروم رہ جاتی۔

ابن رشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے' وہ کہتا ہے کہ دنیا میں جو برائی پائی جاتی ہے وہ بالذات نہیں بلکہ کسی بھلائی کی تابع اور لازم ہے' غصہ بری چیز ہے لیکن اس حاسہ کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظت خود اختیاری کرتا ہے یہ حاسہ نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلہ میں اپنی جان بچانے کی بھی کوشش نہ کرے فسق و فجور بری چیزیں ہیں لیکن یہ اسی قوت سے متعلق ہیں جس پر نسل انسانی کا بقا منحصر ہے آگ گھروں کو جلادیتی ہے شہر کے شہر اس سے تباہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر آگ نہ ہو تو انسان کا زندگی بسر کرنا محال ہو جائے اب صرف یہ شبہ رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کی جاتی اس میں اچھائی ہی اچھائی ہوتی۔ برائی مطلق نہ ہوتی ابن رشد کہتا ہے کہ ہاں یہ ممکن ہی نہ تھا کوئی ایسی آگ نہیں پیدا کی جاسکتی کہ اس سے کھانا پکانا چاہیں تو پک جائے لیکن اگر

مسجد کو جلانا چاہیں تو نہ جلائے۔

باقی یہ اعتراض کہ دنیا میں اکثر اچھے آدمی تکلیف اٹھاتے ہیں اور برے آدمی عیش و عشرت سے بسر کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس حیات فانی تک ختم نہیں ہو جاتی اس لئے یہ کیوں کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ہم جن کو عیش و عشرت میں بسر کرتا ہوا دیکھ رہے ہیں یہ ان کی پوری زندگی کی تصویر ہے ہمارے سامنے اس سلسلہ کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے اس کی بنا پر ہم پورے سلسلہ کی نسبت کیوں کر رائے دے سکتے ہیں جزاو سزا افعال انسانی کے لازمی نتائج ہیں جو کسی طرح ان سے جدا نہیں ہو سکتے جس طرح مرنا زہر کھانے کا اور سیراب ہونا پانی پینے کا لازمی نتیجہ ہے اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ بہت سے لوگ اچھے یا برے کام کرتے ہیں اور ان کے نتیجے ان کو پیش نہیں آتے۔

نظام عالم میں ہم کو جو برائیاں ابتریاں اور نقائص نظر آتے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ واقعی نقائص ہیں ؟ یا اس وجہ سے نظر آتے ہیں کہ نظام عالم کا پورا سلسلہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے ایسی حالت میں صرف اتنی بات پر خدا کے کمال اور عزت و جلال کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے ؟

و ما اوتلیتم من العلم الا قلیلاً

توحید باری تعالے

ذات باری کا اجمالی اعتراف' تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے اس بنا پر اسلام نے اس مسئلہ پر چنداں زور نہیں دیا۔ اسلام کے مختصات میں جو چیز ہے وہ توحید ہے کیونکہ دوسرے مذاہب میں یا تو سرے سے توحید تھی ہی نہیں یا تھی تو کامل نہ تھی۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے بار بار کہا کہ کفار کو بھی خدا سے انکار نہیں' کفار کو جو وحشت ہے وہ توحید سے ہے۔

اذا دعی الله وحده لا کفر تم و ان بشرك به تومنو اذا ذکر الله وحده اشمازت قلوب الذين لا يومنون باالآخرته	جب اکیلا خدا پکارا جاتا ہے تو تم منکر ہو جاتے ہو اور اگر کوئی اور شریک کر لیا جائے تو تم مان لیتے ہو اور جب خدا کا تنہا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین قیامت کا دل بدک جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہم کو خدا کے وجود کا یقین ہوتا ہے بعینہ وہی اسباب اس بات کے بھی کے شاہد ہیں کہ خدا ایک ہی ہے نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر وہ کثیر الاجزاء یا کثیر الافراد ہے۔ لیکن سب مل کر ایک ہے یعنی اس کل کا ایک ایک پرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک خدا اس کو چلا سکتا ہے جو تمام پرزوں کا موجد' اور ان کے باہمی تناسب کا محافظ ہو اسی دلیل کو قرآن مجید میں اس طرح ادا کیا ہے۔

لو كان فيهما آلهته الا الله لفسد تا اگر آسمان اور زمین میں کئی خدا ہوتے تو نظام عالم بگڑ جاتا منطقی پیرایہ میں اگر یہ استدلال بیان کیا جائے تو پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے۔

۱۔ عالم میں گو بظاہر ہزاروں لاکھوں اشیا نظر آتی ہیں۔ لیکن عالم ایک شے واحد ہے اور یہ تمام اشیااس کی ذاتیات اور اجزا ہیں‘ جس طرح انسان میں باوجود اس کے کہ ہاتھ پاؤں کان آنکھ‘ ناک۔ بہت سے اعضاء پائے جاتے ہیں تاہم انسان ایک شے واحد ہی ہے۔

۲۔ ایک چیز کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں‘ کیوں کہ علت تامہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کے وجود کے ساتھ بلا انتظار کسی اور چیز کا معلول وجود میں آجائے۔ اس لئے اگر ایک معلول کے لئے دو علت تامہ ہوں تو ایک بالکل بیکار ہو جائے گی۔

۳۔ خدا سازی کائنات کی علت ہے۔

توحید پر استدلال

اب استدلال کے مقدمات یہ ہیں۔ عالم ایک شے واحد ہے۔ اور شے واحد کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں اس لئے عالم کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں۔ خدا عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہیں ہو سکتیں‘ اس لئے خدا بھی متعدد نہیں ہو سکتے۔ یہ بات خاص طور پر خیال کے قابل ہے کہ مطلق توحید بھی در حقیقت تمام مذہبوں میں پائی جاتی ہے۔ جن قوموں کو مشرک کہا جاتا ہے وہ بھی قادر مطلق ایک ہی ذات کو مانتے ہیں‘ البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد کہتے ہیں جس سے شرک کا گمان ہوتا ہے عیسائی تین خدا مانتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ بھی یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں یہ تعبیر کتنی ہی غلط ہو لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی تعدد ان کو بھی گوارا نہیں اس لحاظ سے مطلق توحید بھی کوئی نئی بات نہیں۔ اسلام کو اس بات میں جو خصوصیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے توحید کو کامل یعنی شرکت کے ہر قسم کے شائبوں سے پاک کر دیا۔ اور یہ منجملہ ان تکمیلوں کے ہے۔ جن کی وجہ سے اسلام کے بعد اور کسی مذہب کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ کمال کے بعد پھر کوئی درجہ نہیں ہوتا توحید کامل کے یہ معنی ہیں کہ جس

طرح خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں پیدا کرنا زندہ رکھنا' مارنا عالم الغیب ہونا۔ دور و نزدیک سے یکساں تعلق رکھنا یہ تمام صفات خدا کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اسلام کے سوا اور مذہب والے اوتاروں اور پیغمبروں
میں بھی یہ اوصاف مانتے تھے اور مانتے ہیں اور یہی توحید کا نقص ہے۔

توحید فی الصفات و فی العبادت

اگرچہ افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اب اصطلاح کا پردہ رکھ کر' ان اوصاف کو اوروں میں بھی ماننے لگے ہیں۔ اسلام نے توحید کے کمال کے لئے توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت کو بھی ضروری قرار دیا۔ یہاں تک کہ سجدہ تعظیمی جو تمام دوسرے مذاہب میں' خدا کے سوا اوروں کے لئے بھی جائز تھا۔ اسلام نے اس کو بھی حرام کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اقرار اور اعتراف کا دل پر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اطاعت۔ انقیاد۔ خشوع۔ استقلال۔ توکل' اخلاص کی حالت اسی وقت دل پر طاری ہو سکتی ہے جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتوں' تمام ضرورتوں' تمام امیدوں تمام اغراض' تمام خواہشوں کا ایک ہی مرکز ہے۔ انسان میں' استقلال آزادی۔ دلیری' بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے' جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہے پھر اس کا سر ہر آستانہ پر جھک جانے کے لئے تیار رہتا ہے۔

علم الکلام - شبلی نعمانی

حوادث کائنات کے تسلسل سے انس

ایک لکڑی کے سرے پر آگ لگا کر اسے تیزی کے ساتھ دائرے کی صورت میں گھمایئے آپ کو محسوس ہو گا کہ فضا میں ایک آتشیں دائرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اسے دیکھتے دیکھتے یکایک آنکھیں بند کر لیجئے۔ دیکھئے وہ دائرہ آنکھیں بند کرنے پر بھی آپ کے سامنے ہے کچھ دیر تک وہ آپ کے نفس پر غالب رہے گا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ اثر زائل ہو جائے گا۔ آپ آنکھیں بند کریں یا کھولے رکھیں دونوں صورتوں میں آپ سمجھ رہے ہیں کہ یہ کوئی متصل خط نہیں ہے بلکہ ایک شعلہ ہے جس کی حرکت سریعہ کی وجہ سے ہمارا احاسہ بصر اسے ایک متصل الاجزاء اور مسلسل خط متدیر کی شکل میں محسوس کرتا ہے لیکن باوجود اس کے آپ آنکھیں بند کرنے پر اسے دائرے کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ علم المناظر میں اس کی جو توجیہ کی جاتی ہے اس سے ہمیں بحث نہیں وہ اپنی جگہ صحیح ہو یا غلط لیکن اس نفسی توجیہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ نفس مکرر کرر شعور کے بعد اس متدیر متصل و مسلسل شکل سے مانوس ہو جاتا ہے اور شعور کے آئنیہ میں اسے دیر تک منعکس ہوتا ہوا دیکھتا رہتا ہے۔

یہ ایک مثال ہے جو اصل مسئلہ کو سمجھانے میں معاون ہو سکتی ہے اور ایک نمونہ ہے نفس انسانی کی اس عادت کا کہ وہ واردات شعور سے کس طرح مانوس ہو جاتا ہے اس خاصہ نفس کا ثبوت کسی ایک مثال یا توجیہ پر موقوف نہیں بلکہ زندگی کے ہزارہا واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ نفس ان معلومات سے بہت جلد مانوس ہو جاتا ہے جو مکرر سہ کرر اسے حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ اس کے لئے باعث الم واذیت نہ ہوں۔ بلکہ بعض اوقات تو الم انگیز معلومات سے بھی اسے انس پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم غمناک حوادث کا استحضار کر کے ایک قسم کا لطف

اٹھاتے ہیں اور انہیں بھولنا نہیں چاہتے۔ اس تمہید کے بعد اس حقیقت کی طرف اشارہ مفید ہے کہ انسان بھی سلسلہ حوادث (CHAIN OF EVENTS) کی ایک کڑی ہے اور اسے اس کا شعور بھی ہوتا ہے ہم جس طرف بھی دیکھتے ہیں حوادث میں ایک تسلسل اور ربط پاتے ہیں جس قدر عقل و فہم ترقی کرتی جاتی ہے اسی قدر علم بڑھتا جاتا ہے اور نفس کائنات سے اس مجرد تصور (AB-STRACT IDEA) کو اخذ کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک فلسفی کو کائنات کا کوئی ذرہ بھی سلسلہ حوادث سے باہر نہیں دکھائی دیتا۔ فلسفی کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ادراک تسلسل........... فلسفیوں تک محدود یا فلسفہ دانی پر موقوف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ادراک کم و بیش سب کو ہوتا ہے لیکن ایک فلسفی کل کائنات پر بحیثیت مجموعی غور کرتا ہے۔ اس لئے اس کا تصور وسیع تر اور مجرد تر ہوتا ہے۔ نفس اپنی عام عادت کے مطابق اس تسلسل سے مانوس ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے جو تصور بھی اس کے سامنے آئے وہ اسی سلسلہ کی کوئی کڑی ہو۔ کسی ایسے موجود کا تصور اس کے اوپر بہت شاق ہوتا ہے جو اس سلسلہ سے باہر ہو یا تسلسل کائنات کے مانوس تصور کو ختم کر دیتا ہو۔

ظاہر بات ہے کہ خدا سلسلہ کائنات کی کوئی کڑی نہیں بن سکتا۔ اس کا وجود تو بہر حال اس سلسلہ سے باہر ہی ماننا پڑے گا۔ یہی نہیں بلکہ خدا کے بعد یقین کے تسلسل حوادث کا مستحکم یقین بھی متزلزل ہو جائے گا۔ اگر کائنات ایک ایسی ہستی کا نتیجہ آفرنیش ہے جو ماوراء حوادث ہے۔ تو اس تسلسل کا توڑ دینا یا اس سلسلہ کی کسی کڑی کا نکال دینا بھی اسکے اختیار میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تسلسل نہیں ہے اور اس میں فرق پڑنا ممکن ہے وہ نفس جو تسلسل کا خوگر اور اس سے مانوس ہو اس شبہ سے پریشان ہو جاتا ہے اور بہت تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اس تکلیف کو زائل کرنے کے لئے وہ کبھی تو خدا کا انکار کر دیتا ہے اور کبھی خدا کو اسی سلسلہ کی ایک کڑی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

بعض روزمرہ مشاہدے میں آنے والی مثالیں ہمارے اس نظریہ کی مزید وضاحت کر دیں گی آپ کے ایک پرانے دوست کے متعلق ایک شخص یہ کہتا ہے کہ وہ آپ کا دشمن ہو گیا ہے کیا آپ اسے آسانی سے باور کرلیں گے چلتی ہوئی ریلوے ٹرین پر آپ آرام سے سو رہے ہیں۔ ٹرین اسٹیشن پر رکتی ہے اور آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ کیوں؟ ایک خوش گلو گویا گا رہا ہے اور آپ محویت کے عالم میں سن رہے ہیں یکایک وہ گانا بند کر دیتا ہے آپ چونک پڑتے ہیں۔ کیوں؟ ان سب واقعات کی توجیہ اسی اصول سے ہو سکتی ہے یعنی آپ کا نفس ایک خاص قسم کے تسلسل حوادث سے کچھ نہ کچھ انس پیدا کر لیتا ہے۔ جب یہ تسلسل ٹوٹتا ہے تو اسے قدرے اذیت محسوس ہوتی ہے اور وہ بیدار ہو جاتا ہے۔ خیال تو فرمایئے کہ جب ایسے قلیل وقت میں نفس تسلسل سے اتنا انس پیدا کر لتیا ہے تو حوادث کائنات کے عالمگیر تسلسل کے تصور سے وہ کس قدر مانوس ہو گا جسے وہ ساری عمر دیکھتا رہتا ہے۔

نفس تسلسل سے فریب کھانے کا عادی ہو جاتا ہے۔ یہ فریب ایک وجدانی کیفیت کی طرح نفس کی ایک صفت بن جاتا ہے جو عقل و مشاہدے کی تکذیب کو بھی قابل اعتنا نہیں سمجھتا۔ شباب کے خواب شیریں کی حالت میں صبح پیری کا خیال بھی نہیں آتا۔ اور ہم وجدانی طریقہ سے ایسا محسوس کرتے رہتے ہیں کہ یہ زمانہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ صحت و تندرستی کی حالت میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیمار ہو ہی نہیں سکتے اور تو اور موت جو ہر شخص کے نزدیک یقینی چیز ہے اس سے بھی ہم غافل رہتے ہیں اور نفس یہ محسوس کرتا رہتا ہے کہ تار نفس نا قابل شکست ہے۔ کیا یہ مثالیں نفس کے بھولے پن اور خوئے فریب خوردگی کو نہیں ظاہر کرتیں؟ عموماً عقل مشاہدات و تجربات کی امداد سے اس فریب سے محفوظ رہتی ہے ہر جوان بڑھاپے کا یقین رکھتا ہے۔ ہر تندرست کو بیماری کا احتمال ہوتا ہے ہر زندہ موت کو قطعی سمجھتا ہے لیکن جب مشاہدہ مساعدت سے عاجز ہو اور

معروض تجربہ کے حدود سے باہر ہو تو فریب کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے جس سے محفوظ رہنا کمزور عقلوں کے لئے بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔ تسلسل حوادث کا فریب ایسا ہی ہوتا ہے مجموعی طور پر کائنات کی ابتدا وانتہا کا کوئی مشاہدہ ہمیں نہیں ہو سکتا۔ ہم تو ایک طول وطویل زنجیر کی ایک کڑی ہیں جو دوسری کڑیوں سے اس طرح مربوط ہے کہ ان سے الگ نہیں ہو سکتی نہ ان سے باہر سر نکال کر دیکھ سکتی ہے۔ عالم میں جدھر نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں ایک ربط و تسلسل نظر آتا ہے۔ علل و معلولات کا ایک سلسلہ ہے جس کی ابتداء وانتہاء کو دیکھنے سے ہماری نگاہیں قاصر ہوتی ہیں ہمارے تجربات و مشاہدات اسی دائرے کے اندر ہوتے ہیں ان حالات میں عقل انسانی جو اس سے کم درجہ کے فریبوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اس بڑے فریب میں مبتلا ہو جائے تو کیا تعجب ہے ؟اگر فریب خوردگی کی کوئی فہرست تیار کی جائے تو پہلی سطر میں نفس انسانی کی اس فریب خوردگی کو درج کرنا پڑے گا کہ کائنات ازلی والبدی حوادث مسلسل کا نام ہے آخر اس کی کیا دلیل ہے ؟اس پر کون برہان قائم ہے ؟کس تجربہ سے اس کی تائید ہوتی ہے ؟ کس مشاہدے نے اس کی تصدیق کی ہے ؟اس کے قائل ہونے کی اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں ہے نفس خوگر تسلسل ہونے کی وجہ سے اس سے شدید انس پیدا کر لیتا ہے اور اس انس کے زیر اثر فکر کرتا ہے۔ یہ فکر مطابق خواہش (WISHFUL THINKING) کی ایک مثال تو بن سکتی ہے۔ لیکن فکر صحیح کا صحیح نمونہ نہیں ہو سکتی۔ اسی فریب یا انس تسلسل سے مغلوبیت کا اثر ہے کہ مشہور فلسفی ہربرٹ اسپینسر اپنی کتاب اصول اولیہ جلد اول میں اس کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ نفس صرف علائق کے محاوروں کی مدد سے فکر کر سکتا ہے اور کل کائنات کا تصور تعلیل کے بس سے باہر ہے۔ نیز یہ کہ ہمارا علم اضافی ہوتا ہے نہ کہ مطلق جب ہم آغاز مطلق تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے فکر کو ناممکنات کے ہر پہلو کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب ہمارا علم اضافی ہے۔

ایک اور نفسی حقیقت کی طرف نظر کیجئے تو مسئلہ اور بھی واضح ہو جائے گا ہمارا نفس کسی لا انتہا کا تصور کرنے کی قوت و صلاحیت سے محروم ہے۔ ایسی شے جس کی نہ ابتدا ہو نہ انتہا۔ ہمارے نفس کی گرفت میں نہیں آسکتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عالم کی ابتدا و انتہا کا تصور ہمارے نفس میں ضرور آتا ہے۔ اگرچہ تسلسل سے مانوس ہونے کی وجہ سے ہم اس کے فریب میں آجاتے ہیں اور اس تصور کو نفس کے باہر پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں بقول ہربرٹ اسپنسر آغاز مطلق تک رسائی میں نفس کو ہر قسم کے ناممکنات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہم اپنے نفس کی کمزوری کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اس کے فطری تقاضے کو پورا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جب نفس بے آغاز و انجام کا تصور ہی نہیں کر سکتا اور اسے اپنی گرفت میں لانے سے قاصر ہے تو اس کے متعلق کسی فیصلہ کا اسکو کیا حق حاصل ہے؟ اور فکر میں لا انتہا اور مسلسل کائنات کے مفروضہ کو ساتھ ساتھ رکھنے کے لئے کیا وجہ جواز ہے؟

جن فرضی ناممکنات کا تذکرہ اسپینسر نے کیا ہے وہ اسی وجہ سے نظر آتے ہیں کہ ہم اس مفروضہ سے نظریں ہٹا کر فکر نہیں کرتے۔ تھوڑی دیر کے لئے اس مسلسل کائنات کے مفروضہ کو ذہن سے کلتیہ خارج کر دو اس کے بعد انبیاء کے بیان کئے ہوئے دلائل پر غور کرو۔ تو رب العالمین کا یقین قلب میں جاگزیں پاؤ گے۔

تصادم کیا معنی رکھتا ہے؟ جہاں طائر فکر کی پرواز ہی نہ ہو سکے وہاں "دام" ناممکنات کا خطرہ کیسے ہو سکتا ہے۔

نفس کی اس فریب خوردگی اور اس کے غیر معمولی انس کے باوجود اس کا فطری حاسہ بالکل فنا نہیں ہو جاتا ہے اور جس طرح ہم نشہ شباب میں چور ہونے کے باوجود نفس کے ایک گوشہ میں بڑھاپے کا ایک دھندلا سا یقین دیکھتے ہیں۔ اسی طرح تسلسل کائنات کا یقین رکھنے کے باوجود

ہمارے نفس کے ایک گوشہ میں یہ تصور بھی موجود رہتا ہے کہ تسلسل قابل شکست ہے۔ اس کا ایک آغاز بھی ہے اور انجام بھی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی۔ تسلسل سے انس جس قدر شدید ہوتا ہے۔ اسی قدر یہ تصور دھندلا ہوتا ہے مگر فطرت سے وابستگی کی وجہ سے اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہتا ہے۔ دہری اس حقیقت کا انکار کریگا اور صاف کہدے گا کہ ہمارے نفس کا ہر گوشہ اس تصور سے خالی ہے۔ یقین تو کیا یہ شک کے درجہ میں بھی موجود نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر نفس اس تصور سے خالی ہے تو مسئلہ آغاز وانجام کائنات پر بحث ہر فلسفی کا فرض کیوں قرار پا گیا ہے ؟ کیا کوئی فلسفی ایسا بھی ہے جس نے اس سلسلہ کی ابتداء وانتہا پر غور نہ کیا ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ فلسفہ نام ہی کائنات پر مجموعی حیثیت سے غور کرنے کا ہے۔ فلسفی ہی کی خصوصیت نہیں ہے دنیا کا کوئی صحیح الدماغ انسان ایسا نہیں نکل سکتا جس نے اس مسئلہ پر غور نہ کیا ہو۔ اگر یہ تصور فطری نہ ہوتا۔ تو شاید دنیا میں کسی فلسفہ کا وجود ہی نہ ہوتا۔ ہیگل کے یہاں تو یہ کش مکش اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ اس کے متعلق یہ فیصلہ کرنا ہی دشوار ہے کہ وہ وجود باری کا قائل تھا یا منکر بعض دہریوں نے وجود باری کے عقیدے پر جو اعتراضات کیے ہیں اور اسے غلط قرار دینے کیلئے جو طرز استدلال اختیار کیا ہے

ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ تسلسل حوادث میں خلل کا تصور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں مثلاً میحب (MACKOB) نے ارسطو کے استدلال پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر ہم علل و معلولات کا ایک لامتناہی سلسلہ تسلیم کرلیں تو کسی علت العلل کی پھر کیا احتیاج باقی رہ جاتی ہے ؟

ارسطو کے متعلق یہ بات تعجب خیز ہو گی کیونکہ وہ صراحت کے ساتھ خدا کو سلسلہ کائنات سے علیحدہ تسلیم کرتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ فلاسفہ الہیات میں بعض غبی ہوتے ہیں اور

ارسطو میں تو یہ غباوت اور زیادہ نمایاں ہے۔ اسے خبر نہیں ہو سکی کہ اس کے فلسفہ میں تناقض پیدا ہو گیا ہے ایک طرف وہ مندرجہ بالا تصریح کرتا ہے دوسری طرف اپنے فرضی خدا کو حوادث کی طرح کائنات کے بندھے لگے قوانین کا پابند اور فاعل بالاضطرار نیز کائنات کے ساتھ اتصال پر مجبور ثابت کرتا ہے۔ اس حالت میں خالق و مخلوق کے درمیان جدائی کا کیا سوال باقی رہ جاتا؟ افلاطون کے یہاں بھی اسی قسم کا مہمل خیال ملتا ہے۔ اسپنوزا نے اور زیادہ صفائی کے ساتھ اس کا اقرار کیا ہے۔

عربی کی ضرب المثل ہے کہ " **حبك الشئي يعمى و يصيم** " یعنی محبت اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ یہ مثال اس معاملہ پر بھی چسپاں ہوتی ہے تسلسل حوادث سے انس و محبت نفس کو اس مغالطہ عامتہ الورود میں مبتلا کرتی ہے جسے ہم فریب تسلسل سے تعبیر کرتے ہیں۔ موت کا تصور اس انس کا دشمن ہے اس یقینی اور بدیہی چیز کے یقین کو اگر مستحکم کیا جائے اور اس کے ساتھ انبیاء کے بیانات کو دیکھا جائے۔ ساتھ ساتھ تسلسل کائنات کا مفروضہ الگ کر دیا جائے تو دہریت کے مہلک بخار سے نجات کی بہت قوی توقع ہے۔

تسلسل حوادث سے انس والفت کا غلبہ نفس پر معمولی نہیں ہوتا اور اس سے دھوکہ بھی معمولی نہیں ہوتا۔ اس فریب سے نجات صرف انبیاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اِن کی شاگردی کے بغیر وجود باری تعالیٰ کا اقرار کرنے والا بھی غیر شعوری طور پر منکرین کی صف میں جا بیٹھتا ہے۔

بعض ایسے فلاسفہ کو دیکھو جنھوں نے دہریت کی تردید کی ہے اور وجود باری تعالیٰ کا اقرار کیا ہے۔ لیکن تسلسل حوادث کی الفت و عادت بھی ان پر غالب تھی اور انہوں نے غیر شعوری طریقہ سے اقرار کو انکار کا قرین بنا دیا۔

ارسطو، فلاطون، سقراط، اسپنوزا، ڈیکارٹ وغیرہ نے وجود باری کا اقرار کیا ہے لیکن پوری کوشش اس مقصد کے لئے صرف کر دی کہ زنجیر حوادث کہیں سے ٹوٹنے نہ پائے وہ وجود باری کا انکار تو نہ کر سکے لیکن انہوں نے اپنے خدا کو بھی اسی سلسلہ میں منسلک فرض کر لیا۔ ان لوگوں کا خدا سلسلہ حوادث سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ اسی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ تسلسل حوادث بھی نہ ٹوٹے اور خدا کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ نقیضین کو جمع کرنے کی یہ کوشش ناکامی پر ختم ہوئی اور ان کے بیانات دیکھ کر ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان کا اقرار انکار خدا کے برابر ہے۔ اس بے راہ روی کا اندازہ اس ذہنی کش مکش سے ہو سکتا ہے جو ان کے فلسفوں میں نمایاں ہے جب ہمارے وجود کی ایک ابتداء ہے تو قیاس فطری کہتا ہے کہ کل کائنات کی بھی ایک ابتدا ہو گی۔ اس نفسی بیماری کی تشخیص اس طرح فرمائی گئی ہے۔

یعلمون ظاھراًمن الحیواته الدنیا	ترجمہ :۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی کے
وھم عنِ الاخرته ھم غفلون	صرف ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت
	سے بلکل غافل ہیں (الروم)

ضمنی طور پر ایک لطیفہ کا تذکرہ دل چسپ ہو گا۔ تسلسل حوادث کا یہ فریب بیسویں صدی کے فلسفی اور ساتویں صدی کے جاہل بدوی دونوں کو ایک ہی صف میں بٹھا دینا ہے دیکھئے عرب کا جاہل دہقانی اس فریب میں مبتلا ہو کر جہاں پہونچا تھا بیسویں صدی کا یورپین فلسفی بھی اس سے ایک قدم آگے نہیں جاسکا۔ عرب کا جاہل دہری کہتا تھا۔

قالوا ان ھو الاحیو تنا الدنیا	یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس ہماری دنیاوی زندگی
نموت و نحیاو مایھلکنا الا	ہی کا وجود ہے جس میں ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اور
الدھر	صرف زمانہ ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ (الجاثیته)

بیسوی صدی کے دہری فلسفی نے اس مسئلہ میں اس سے زیادہ کیا کہا ہے؟ یہ نمونہ بتاتا ہے کہ انبیاء کی تعلیمات سے روگردانی کر کے انسان کی عقل معاد ہمیشہ انتہائی پستی میں رہتی ہے خواہ عقل معاش کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے۔

غلبہ فعلیت اور غلبہ انفعال

عالم انسانیت کی مشیزی میں فٹ ہونے کے لئے انسانی نفس میں فعل و انفعال یا بالفاظ دیگر تاثیر و تاثر' دونوں قسم کی قوتیں ناگزیر ہیں۔ اگر قوت تاثیر نہ ہو تو تعلیم و تربیت' حکومت و سیاست اور اس قسم کے بہت سے امور کا دروازہ بند ہو جائے اور معاشرے پر مردنی چھا جائے۔ قوت انفعال و تاثر کا فقدان بھی انفرادیت کو غالب کر کے اخلاق' معاشرت' سیاست اور اسی قسم کے اجتماعی اداروں کا خاتمہ کر دے گا اسی حکمت سے خلاق حکیم نے ہر نفس میں یہ دونوں قوتیں رکھی ہیں لیکن تجربہ ہے کہ ان دونوں کے تناسب کے لحاظ سے نفوس انسانی میں باہم اختلاف ہے۔ بعض اشخاص کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے ان سے متاثر ہوتے ہیں اور وہ دوسروں سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔ تاریخ ان عظیم شخصیتوں کے کارناموں کی شاہد ہے جنہوں نے اپنے ماحول میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا خشک بحثوں میں وہ لطف نہیں حاصل ہوتا جو شعر و شاعری یا موسیقی سے حاصل ہوتا ہے برعکس حالت میں حال بھی برعکس ہوتا ہے۔

یہ روزمرہ کے تجربات ہیں جو اس مسئلہ میں بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں جس نفس پر تاثر و انفعال کی قوت غالب ہوتی ہے وہ اس کے ذریعہ سے لذت اندوز ہوتا ہے اور قوت تاثر کے ذریعہ سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں انکی طرف سے نسبتاً کم رغبت ہوتی ہے قوت تاثیر کا غلبہ نفس کا رحجان اس کے برعکس کر دیتا ہے۔ طریق لذت اندوزی کے اس فرق کا تجربہ' روزمرہ کی زندگی میں ہو سکتا ہے بعض اشخاص کو شکار' نشانہ بازی' کشتی گیری' شمشیر زنی اور اس قسم کے دوسرے

کاموں میں جو لطف آتا ہے وہ موسیقی اور رقص میں نہیں آتا۔ ایسے اشخاص میں قوت تاثیر کا غلبہ ہوتا ہے لیکن ان کے برعکس جن لوگوں پر قوت تاثیر وانفعال غالب ہوتی ہے ان کی لذت اندوزی کی نسبت بھی برعکس ہوتی ہے۔

ہاں ایک بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔ داہنے ہاتھ اور بائیں ہاتھ کی مثال سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ انسان غالب قوت سے کام بھی زیادہ لیتا ہے اس یاد دہانی کے بعد اس مسئلہ پر غور کیجئے جس پر گفتگو ہو رہی ہے۔ (۱) قوت تاثر وانفعال کا غلبہ مفرط متعدد راہوں سے دہریت کے خارزار میں پہنچا دیتا ہے۔ فی نفسہ یہ قوت اندھی بہری ہے اور فکر کی رہنمائی سے قاصر لیکن فکر وارادے پر اثر انداز ضرور ہوتی ہے۔ قوت ارادی سے کام لے کر اس پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بشر طیکہ کوئی ایسا کرنا چاہے لیکن جب ایسا شخص ایسے ماحول میں پھنس جاتا ہے جہاں خدا کا تذکرہ سوسائٹی میں جرم سمجھا جاتا ہو اور اس کا انکار فیشن میں داخل ہو جائے تو اس کی یہ قوت اس کی دشمن ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ کام لینے کی وجہ سے نفس کی قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے اور اعصاب تہیجات کا مثبت جواب دینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ثبات واستقامت کے پائے ثبات کو لغزش ہوتی ہے اور یہ سوسائٹی اور ماحول کے سامنے ہتھیار ڈال کر خدا کا منکر ہو جاتا ہے۔ اگر اسے اس کے مخالف ماحول میں بھیج دیا جائے تو یہی منکر رب العالمین کا پرستار بن جائے گا۔ اس کی خود کوئی رائے نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو وہ تاثر پر مبنی ہوتی ہے۔ ہمارے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ میں جو نوجوان خدا کے منکر نظر آتے ہیں ان میں زیادہ تعداد ایسے ہی اشخاص کی ہوتی ہے جو صرف اس لئے خدا کے منکر ہیں کہ اس کا انکار فیشن میں داخل ہو گیا ہے۔

(۲) ایسے نفوس شخصیت کی عظمت سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور کسی باکمال شخصیت کے سامنے اس طرح جھک جاتے ہیں کہ اس کے غلط اور صحیح ہر قسم کے افکار و خیالات کو قبول کر نے

لگتے ہیں۔ اگر کسی اچھی اور باخدا شخصیت سے مرعوب ہو گئے تو انکا باخدا ہو جانا بھی آسان ہوتا ہے لیکن اگر کسی منکر خدا کی عظمت سے متاثر ہوئے تو خدا اسے بغاوت کر دیتے ہیں اور اس کے وجود ہی کے منکر ہو جاتے ہیں۔

(۳) نفس کو اگر قوت تاثر کی افراط کے ساتھ قوت تجرید کا بھی حصہ وافر ملا ہو تو عموماً ایسے لوگ خدا کے منکر نہیں ہوتے کیونکہ نفس کو رب العالمین کے تصور مجرد سے مناسبت ہوتی ہے اور وہ اس سے متاثر ہو کر اسے اپنے اندر جگہ دینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ لیکن اگر قوت تجرید کی کمی ہے تو تاثر و انفعال مشمولات شعور یا بالفاظ دیگر محسوسات حواس ظاہرہ سے زائد ہوتا ہے اور نفس پر مادی تاثیرات کا غلبہ ہوتا ہے ایسا نفس خدا کو بھی مادی صورت میں محسوس کرنا چاہتا ہے قوت تجرید کی کمزوری کی وجہ سے غیر مادی خدا کے تصور سے اسے لذت انفعال نہیں حاصل ہوتی اس لئے وہ اپنے اندر سے اس کے یقین کو خارج کر کے اس کی جگہ کسی مادی موثر کے یقین کو دینا چاہتا ہے جس سے تاثر و انفعال اس کے لئے لذیز تر ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس غلط ائتلاف کا نتیجہ ہو جو وہ مادیات و موثرات میں قائم کر لیتا ہے۔

دلائل سے تہید ستی

اس کا اعتراف دہریت کو بھی ہے کہ اس کا خزانہ فکر ایسی دلیل سے قطعاً خالی ہے جو وجود باری عزاسمہ کے انکار پر مجبور کر دے۔ دہریت اسے تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اس کی ایک بڑی کمزوری ہے اس کمزوری کو چھپانے کے لئے بعض دہری "شک" کا پردہ ڈال لیتے ہیں۔ دلائل سے تہید ستی کی وجہ سے انکار کا پہلو کمزور ہو جاتا ہے۔ مقابل کے دلائل اس کمزوری کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں نفس مقابلہ سے عاجز آکر "شک" کی پناہ لیتا ہے اور استدلال کا بار مقابل پر ڈال کر خود اس سے سبکدوش ہو جاتا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اس کا فعل اس کی کمزوری کو اور بھی واضح کر

دیتا ہے کیونکہ "شک" ایک عبوری حالت کا نام ہے اس منزل پر قیام راہرو کی درماندگی کی علامت ہے۔اس طریقہ کا استعمال روزمرہ کی زندگی میں بکثرت ہوتا ہے۔

بسااوقات ایک شخص آپ کے دلائل کے سامنے عاجز ہو جاتا ہے مگر آپ کی بات ماننا بھی نہیں چاہتا یہ کہہ کر آپ سے پیچھا چھڑا لیتا ہے کہ میں آپ کی بات پر غور کروں گا ابھی مجھے اس پر اطمینان نہیں ہے۔

ذریعہ انکار

بسااوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شک کا استعمال صحیح طریقہ پر کیا جاتا ہے لیکن مقصد غلط ہوتا ہے۔ یعنی نفس انکار وجود رب العالمین تک پہونچنے کے لئے "شک" کو ذریعہ اور وسیلہ بناتا ہے۔

نفس انکار کی طرف شدت سے مائل ہوتا ہے اور دوسری طرف دلائل کی قوت یا فطرت ووجدان کا تقاضہ وجود رب العالمین کے اقرار پر اصرار کرتا ہے۔ نفس انکار کے تاریک اور گہرے گڑھے میں ایک دم سے کود جانے کی ہمت نہیں کرتا۔ دلائل روکتے ہیں اور فطرت دامن پکڑتی ہے اس کے لئے وہ ایک سیڑھی تلاش کرتا ہے۔ "شک" وہ سیڑھی ہے جس کے سہارے وہ انکار کے خوفناک غار میں اترتا ہے۔ یعنی پہلے شک کرتا ہے اور اس کے بعد انکار کا یقین۔ اس طریقہ پر عمل کر کے وہ یکایک ایک بڑے اقدام کے بارسے بچ جاتا ہے اور تدریجی اقدام کے ذریعہ سے کام کو آسان بنالیتا ہے۔

شمس الشمسیات۔ علامہ محمد اسحاق